قرآن مجید کی معنوی تفسیر

بطن القرآن

مولانا محمد فاروق خاں
ایم۔اے

قرآن مجید میں زندگی کے لئے کچھ بنیادی عقائد ونظریات اور ظاہری احکام اور ضوابط ہی بیان نہیں ہوئے ہیں بلکہ قرآن میں بعض ایسے لطیف حقائق ومعانی بھی بیان کئے گئے ہیں جن کے ادراک کے لئے حد درجہ حساس دل اور حساس ذہن و دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حقائق ومعانی ایسے ہیں جن سے خود ہماری فطرت کی عمیق ترین حسیات کی ترجمانی ہوتی ہے جن کی طرف سے عام حالات میں ہم بالکل غافل ہوتے ہیں۔ پھر قرآن صرف یہی نہیں بلکہ ہمیں ہمارے بہترین جذبات اور ہماری فطرت کے لطیف ترین تقاضوں سے آشنا کرتا ہے بلکہ وہ اس سلسلہ میں بھی ہماری پوری رہنمائی کرتا ہے کہ ہماری فطرت کے تقاضے کیوں کر پورے ہو سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم اپنے اندرون اور اپنے روح کے تقاضوں سے واقف نہ ہوں خدا کی طاعت اور اس کی بندگی کا حق ہم ادا نہیں کر سکتے۔ جسم کو تو انسان بآسانی خدا کے آگے جھکا سکتا ہے لیکن جب تک روح بھی اس کے آگے سجدہ ریز نہ ہو نہ حق بندگی ادا ہوتا ہے اور نہ انسان صحیح معنی میں اپنے خالق کے خلاف سرکشی سے یکسر باز آسکتا ہے۔

جس طرح پھیلی ہوئی کائنات اپنے کشادہ دامن میں کتنی ہی دنیائے معانی چھپائے ہوئے ہے لیکن انسان اپنی بے خبری اور کوتاہ نگاہی کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ٹھیک یہی حال قرآن کا ہے۔ قرآن ہمیں زندگی کے اعلیٰ مفہوم سے آشنا کرنا چاہتا ہے اس میں ہر جگہ ابدی حسن کی جلوہ گری ہے۔ ہر مقام پر وہ اسرار حیات اور اعلیٰ حقیقتوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کرانی چاہتا ہے لیکن ہم چوک جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ہماری زندگی نظر آنے والی چند سطحی چیزوں سے عبارت ہے اور نہ قرآن محض احکام و قوانین کا نام ہے۔ بلکہ جس طرح آدمی کی پہچان چہروں سے نہیں دلوں سے ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح قرآن کی عظمت کا اصل راز وہ حقائق اور اسرار ہیں جو بطن قرآن میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن کے اپنے بیان اور اظہار مدعا میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا پھر بھی اگر ہماری حس تیز نہیں

اور ہم فکر وتدبّر سے کام نہ لیں تو قرآن کے کتنے ہی ایسے اہم مقامات سے ہم سرسری طور سے گذر جائیں گے جہاں معانی ومعارف کی ایک وسیع کائنات دکھائی دیتی ہے، اس معاملہ میں قرآن ہماری پوری توجہ چاہتا ہے توجہ اور ذہن وقلب کی بیداری کے بغیر محرومی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ قرآن کہتا سب کچھ ہے لیکن اس کے کہنے کا ایک خاص اسلوب ہے جس میں جامعیت، ایجاز اور اختصار بیان کا خاص اہتمام پایا جاتا ہے۔ نازک ترین حقیقتوں کے بیان میں اختصار نہایت ضروری بھی تھا، زیادہ توضیح وتشریح معانی، اسلوب لطیف کے خلاف ہے۔ اس لئے ابہام نہ ہوکر بھی ایسے مقامات پر ایک قسم کے ابہام کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ لطیف و نازک باتوں کا تعلق چونکہ دل سے ہوتا ہے اور دل تک بات پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ کلام میں ایک طرح کی خاموشی بھی شامل ہو۔ ہمارے دل جن گیتوں کو اپنے میں جذب کر سکتے ہیں وہ وہی ہوتے ہیں جو لبوں پر آکر ادھورے ہی ختم ہو جائیں۔ اچھے کلام پھولوں کی طرح ہوتے ہیں جن کی قوت اپنے معنی بتانے میں صرف نہیں ہوتی لیکن ان کی خوشبو مشام جاں کو مسرور کر جاتی ہے۔

مفسرین قرآن نے قرآن کی مختلف تفسیریں لکھی ہیں۔ ان تفسیروں میں احکام وقوانین، روایات اور تاریخی پس منظر وغیرہ پر اچھی خاصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعض میں منطق وفلسفہ اور علم کلام کے اثرات نمایاں ہیں لیکن قرآنی حکمت پر کم روشنی ڈالی گئی اور بہت کچھ اضافے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بعض بزرگوں نے عام احکام وقوانین سے ہٹ کر اگر کچھ لکھنے کی کوشش کی بھی ہے مثلاً تفسیر عرائس البیان جو علامہ محی الدین ابن عربیؒ کی طرف منسوب ہے تو بڑا نقص یہ پایا جاتا ہے کہ اس میں خیالات واحساسات خواہ کتنے ہی گہرے اور پاکیزہ کیوں نہ ملتے ہوں لیکن بالعموم قرآن کے اپنے الفاظ ان خیالات کا ساتھ نہیں دیتے اس طرح ہم اسے تفسیر نہیں کہہ سکتے۔ جو کچھ اس میں ملتا ہے اس کی حیثیت علم اعتبار کی ہے۔ علم اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر یا سن کر آدمی کے ذہن میں بطور عبرت ونصیحت کچھ خاص باتیں آئیں جو نہ اس کا مدلول ہوں اور نہ اس کا مقصود جو کچھ کہ اس نے پڑھا یا سنا ہو۔ بعض روایات یا آثار میں ہمیں علم اعتبار کی اصل ملتی ہے اس لئے اسے صوفیاء کی بدعت قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ دو آدمیوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ جو کچھ لوگ آج کل کر رہے ہیں اور اس کے لئے محنت ومشقت برداشت کر رہے ہیں کیا یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے اور ان کی تقدیر میں گذر چکی ہے یا یہ وہ چیز ہے جو آئندہ ہونے والی ہے اور جسے ان کا نبی لایا ہے اور حجت ان پر قائم ہوئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہی چیز ہے جو ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے

اوران پر گذر چکی ہے ۔ اور کتاب الہٰی میں اس کی تصدیق موجود ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے :

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا (الشمس : ۷-۸)

اور شاہد ہے نفس اور جیسا کچھ اسے سنوارا پس اس کی بدی اور پرہیزگاری اس پر الہام کردی ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں مسئلہ تقدیر کا ذکر نہیں ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کی تائید میں ان آیتوں کو کیوں پیش فرمایا ۔ شاہ ولی اللہؒ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اعتبار کے طور پر تشبیہ دی ہے کہ جس طرح فجور و تقویٰ کا القاء ہوا ہے اسی طرح اعمال کو بھی مقدر کردیا گیا ہے ۔ اس طرح کی دوسری احادیث بھی ہیں جن میں علم اعتبار کا استعمال پایا جاتا ہے ، ان حدیثوں کا ذکر موجب طوالت ہوگا اس لئے ہم ان کو یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں ۔

بعض صحابہ کرامؓ سے بھی علم اعتبار کا استعمال منقول ہے ۔ چنانچہ آیت

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا (الرعد : ۱۷)

اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ آگئے

کی تفسیر میں ابن عباسؓ نے فرمایا :

یرید بالماء الشرع والدین وبالاودیۃ القلوب

یعنی یہاں پانی سے شرع اور دین اور اودیہ سے (بطور تشبیہ) قلوب مراد ہیں ۔

اسی طرح ابن عباسؓ

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الرعد : ۱۷)

"خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی عطا کرتا ہے ۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں : "لین القلوب بعد موتها والا فقد علم احیاء الارض مشاهدۃ" یعنی یہاں ارض سے مراد مردہ قلوب ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردہ قلوب کو زندہ کر دیتا ہے ورنہ زمین کا حال تو سبھی کو معلوم ہے ۔ اس کی حالت بتانے کا اتنا اہتمام ضروری نہ تھا ۔ ظاہر ہے یہ بھی علم اعتبار ہی ہے لیکن اس سے تفسیر مشہور و معروف کی نفی کرنی مقصود نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس آیت سے ظاہری مدلول پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس سے قلوب کی حالت کی طرف انتقال کرنا چاہیئے کیونکہ دلوں کی حالت بھی وہی ہے جو زمین کی حالت مشاہد ہے ۔ اس طور پر جو عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے وہ خواہ مدلول آیت نہ ہو لیکن وہ خود ایک مستقل

دلیل سے ثابت ہوتی ہے ۔ یہی حقیقت ہے علم اعتبار کی ۔ اہل حق صوفیاء آیاتِ قرآنی کے منقول معانی کے مدلول مفہوم و مقصود کے منکر نہیں ہیں ۔

معنوی اعلیٰ حقائق جن کی تائید و تصدیق قرآن کے اپنے الفاظ سے بھی ہوتی ہے یعنی جو آیاتِ قرآنی کے منقول معانی کا مدلول مفہوم و مقصود ہوں وہ بڑے ہی قدر و قیمت کے حامل ہیں کیونکہ ان کے مستند ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔

ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کی ایسی تفسیر لکھی جائے جس میں اعلیٰ معنوی حقائق کو زیر بحث لایا جائے ۔ عام باتیں جو تفسیر کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں گرچہ وہ مفید اور ضروری ہیں انھیں نظر انداز کیا جائے کیونکہ ان سے واقف ہونے کے لئے بہت سی کتابیں اور تفسیریں پہلے سے موجود ہیں ۔ کاش کوئی صاحب علم و نظر یہ تفسیر لکھ سکتا ۔ ہم اس سلسلہ میں حسب توفیق محض کچھ احساسات قارئین کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں ۔ لیکن یہ کام بھی اسی وقت انجام پا سکتا ہے جب کہ خدائے بزرگ و برتر کی مدد اور اس کا خاص فضل شامل حال ہو ۔

اس وقت ہم سورۂ نور کی چند مشہور و معروف آیات کو غور و فکر کا موضوع بناتے ہیں ۔ سورہ النور میں آیت :

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے

کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ۔ خدا چاہتا ہے کہ مومن کی زندگی خدا کے نور سے معمور اور روشن ہو ۔ خواہ وہ اس کی انفرادی زندگی ہو یا معاشرتی اور اجتماعی ۔ چنانچہ سورہ النور میں اہلِ ایمان کے لئے اجتماعی و معاشرتی احکام بھی بیان ہوئے ہیں اور نہایت حکمت کے ساتھ اس جانب رہنمائی کی گئی ہے کہ کس طرح مومن کی اجتماعی و انفرادی زندگی میں نور حق کا ظہور ہوتا ہے اور کس طرح خدا کا نور سب کچھ اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے ۔

حدیث سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے :

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِیْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِّنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اِهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ (احمد والترمذی)

اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی کی حالت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا ۔ پس جس تک یہ نور پہونچا وہ ہدایت یاب ہوا اور جو اس سے چوک گیا وہ بھٹک گیا ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اصل میں نور الٰہی سے وابستہ ہے اور ضلالت کی حقیقت

یہ ہے کہ انسان کی زندگی نورِ الٰہی کی حامل نہ بن سکے۔

سورہ نور کی مذکورہ آیت کا سلسلہ ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

(النور: ۳۵-۴۰)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں ایک چراغ ہے ــــ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس ایسا ہے گویا چمکتا ہوا کوئی تارا ہے ــــ وہ چراغ ایک شاداب درخت زیتون کے روغن سے جلایا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی، اس کا روغن آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہے، اگرچہ آگ اسے نہ بھی چھوئے، روشنی پر روشنی ہے ــــ اللہ اپنے نور کی ہدایت جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اللہ لوگوں کے لئے تمثیلیں پیش کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

ــــ ان گھروں میں جن کو بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کے ذکر کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان میں ایسے لوگ صبح اور شام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنھیں اللہ کی یاد اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں مضطرب ہوں گے۔ تاکہ اللہ ان کے بہترین اعمال کی جزا دے اور اپنے فضل سے انھیں مزید نوازے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل صحرا میں سراب کی طرح ہیں کہ پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اسے کچھ بھی نہ پایا۔ البتہ خدا کو اس کے پاس پایا، جس نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا، اور اللہ حساب جلد کرتا ہے۔ یا پھر جیسے ایک گہرے سمندر میں تاریکیاں موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہے، اس کے اوپر بادل ہے تہ بہ تہ تاریکیاں جمع ہیں، جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو وہ سجھائی دیتا معلوم نہ ہو۔ جسے اللہ نے روشنی نہ دی، اس کے لئے پھر کوئی روشنی نہیں۔

(النور: آیت ۳۵ تا آیت ۴۰)

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان آیات کے بعض رموز کی طرف اشارہ کرنا چاہیں گے۔ قرآن جو کچھ کہتا ہے اس کی آفاقی حیثیت سے بھی ہم کو باخبر کرتا ہے۔ کیونکہ آفاقی صداقت کے بغیر حقیقی معنویت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ پہلی اور بنیادی حقیقت یہ بیان فرمائی گئی کہ "خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔ کائنات کی ساری رونق اور دلکشی اور جاذبیت کی نمود اللہ کے نور کے سبب ہے کائنات کے گوشے گوشے میں جو ذات جاذبِ قلب و نگاہ بنی ہوئی ہے اس سے ناآشنا رہنا سب سے بڑی محرومی کی بات ہے۔ اس محرومی کا مطلب یہ ہے کہ ہم آسمان اور زمین کو دیکھ کر بھی نہیں دیکھ سکے اور کائنات جو سب سے بڑا راز ہم پر کھولنا چاہتی ہے اس سے ہم ناآشنا رہے۔ کائنات اور اس کی ہر چیز اور اس کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں اس کے لئے وقف ہیں کہ ہم خدا کی عظمت اور اس کی محبوبیت سے واقف ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے قلوب خدا کے بجائے کسی اور کے آگے جھک رہے ہوں۔

اس کے بعد خدا نے اپنے نور کی تمثیل بیان فرمائی۔ اور بتایا کہ اس کا نور کس طرح قلب مومن میں جگمگاتا اور روشن رہتا ہے۔ مومن کے دل کو نہ صرف یہ کہ خدا کی ذات و صفات کی طرف رہنمائی

حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ کسی اور چیز سے نہیں خدا کے نور سے معمور اور روشن رہتا ہے۔ خدا نے اپنے نور کی جو تمثیل پیش کی ہے وہ قلب مومن کے پیش نظر فرمائی ہے۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ آگے فرمایا گیا ہے:

يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ — اللہ اپنے نور کی ہدایت جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔

اور مقابل کی تمثیلیں جو اہلِ کفر کے سلسلہ میں پیش فرمائی ہیں ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ایک تمثیل میں اگر نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ (روشنی پر روشنی) فرمایا تو مقابل کی تمثیل میں

ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ — تہ بہ تہ تاریکیاں جمع ہیں

ارشاد ہوا ہے۔ ایک تمثیل میں اگر يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ (اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت بخشتا ہے) آیا ہے تو دوسری تمثیل میں وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ (جسے اللہ نے روشنی نہیں دی اس کے لئے پھر کوئی روشنی نہیں) کہا گیا ہے۔

اسی طرح پہلی تمثیل میں اگر مَثَلُ نُوۡرِهٖ (اس کے نور کی تمثیل) کے الفاظ آئے ہیں تو دوسری تمثیل میں وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ كَسَرَابٍۢ بِقِيۡعَةٍ يَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ يَجِدۡهُ شَيۡـــًٔا (رہے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل صحرا میں سراب کی طرح ہیں کہ پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے کچھ بھی نہ پایا) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اہل کفر کے اعمال اگر سراب محض یا تاریکیاں ہیں تو جو نور اور آرزو کی شے اہلِ ایمان کے حصے میں آئی ہے وہ ایسی نہیں ہے۔ جیسے تشنہ لب کے لئے سراب ہوتا ہے اور نہ وہ تاریکیوں کی طرح کوئی وحشت ناک چیز ہے۔ اس نور کا رشتہ مومن سے ایسا گہرا اور قریبی ہوتا ہے جیسا رشتہ اور تعلق آدمی کا اس کے اعمال کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث قدسی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ اور میں جب اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے

وہ چلتا ہے۔" (بخاری)

بعض روایات میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

وَفُؤَادَهُ الَّذِي يَعْقِلُ بِهِ وَلِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ (احمد، حاکم، طبرانی) — اور اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ باتیں کرتا ہے۔

ـب خاص کی وجہ سے بندے کا ہر عمل خدا کی پسند اور اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ بندے کے اعمال ـتائے الٰہی کا اظہار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بات بندے کے لئے کس درجہ وجد انگیز ہوتی ہے اس کا ـہار الفاظ میں ممکن نہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ابن عباسؓ مثل نورہ کو مثل نورہ فی قلب المومن (قلب مومن میں اس کے ـی تمثیل) پڑھتے تھے۔ یہ قرأت دراصل تاویل آیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ کعب بن مالک کا ـبھی اس سلسلہ میں مثل نورہ فی قلب المومن ہی نقل ہوا ہے۔

سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا مثل نورہ سے مراد اس نور کی حالت وصفت ـجو خدا نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

نور کی تمثیل کے اجزاء پر غور کریں تو کئی قیمتی پہلو سامنے آتے ہیں۔ خدا نے اپنے نور کی تمثیل پیش ـہوئے فرمایا کہ ایک چراغ ہے جو طاق میں ہے۔ یعنی بلندی پر ہونے کی وجہ سے اس کی روشنی پورے ـدور تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ انسان کے اندر دل وہ بلند مقام ہے جہاں سے روشنی اس کے سارے ـباطن کو منور کر سکتی ہے۔ پھر چراغ اگر شیشے یا قندیل کے اندر ہو جیسا کہ تمثیل میں فرمایا گیا ہے ـیا طوفان سے اس کے بجھنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ اور اس طرح چراغ کی لو منتشر اور مضطرب بھی ـہوتی اور نہ اس کی تابانی میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔

دل کا بھی یہی حال ہے۔ ایمان کی قوت سے اگر وہ ڈانوا ڈول نہ ہو تو نور حق کے چراغ کے بجھنے ـخوف نہیں رہتا۔ قندیل کے بارے میں فرمایا کہ وہ دمکتے ہوئے تارے کی مانند چمک رہا ہے شیشہ ـہو تو روشنی کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ اسی لئے باطن کی صفائی کی طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ـوس کی گئی ہے۔

پھر تمثیل میں بتایا گیا ہے کہ چراغ مبارک شاداب درخت زیتون کے تیل سے روشن ہوتا ہے۔ ـی ایسا کہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ وسط باغ کا ہے۔ ایسے درختوں کے پھل اچھے ہوتے ہیں جن سے

حاصل کیا ہوا روغن اتنا شفاف ہوتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ آگ کے چھوئے بغیر وہ بھڑک اٹھے گا
طرح کی خرابیوں سے پاک مومن کی فطرت ہی وہ روغن ہے جو تمازتِ حق سے بھڑکتا اور مومن کے وج
سراپا نور بنا دیتا ہے۔ مومن کی فطرت بذاتِ خود ایک نور ہے۔ یہی نور نورِ حق سے مل کر نور علیٰ
بن جاتا ہے۔

پھر تمثیل میں جس طاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ کسی صنمکدے یا مے خانے کا طاق نہیں
بلکہ ان گھروں کے طاق ہیں جن کے انہدام کا نہیں بلکہ اللہ نے انھیں بلند کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی جو
گھر نہیں بلکہ معابد ہیں جن میں صبح و شام خدا کی تسبیح کی جاتی ہے اور تسبیح کرنے والے بھی ایسے ہیں جو خدا
سے غافل نہیں ہوتے۔ خدا کی یاد اور نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی سے ان مردانِ خدا کو دنیا کی کوئی مصروفیت
نہیں کر سکتی۔ یہ مردانِ خدا وہی ہیں جو خدا سے فضلِ مزید کی امید رکھتے ہیں جس سے خدا انھیں اس
نوازے گا جو بڑا ہی سخت دن ہوگا لیکن وہ دن ان مومنوں کے لئے سراپا رحمت بن کر طلوع ہوگا۔
یہ دن تو اصلاً آئے گا ہی اس لئے کہ اہلِ ایمان کو ان کے بہترین اعمال کا صلہ مل سکے۔ اس دن کی طرف
حقیقت کے لحاظ سے اپنے صلہ کی طرف بڑھتا ہے۔ حاصل یہ کہ جو قلوب نورِ حق کے لئے مشکوٰۃ
کا کام دے رہے ہیں وہ ہر قالب میں نہیں پائے جاتے بلکہ ایسے قلوب تو مومن ہی کے سینے
ہو سکتے ہیں۔

اہلِ ایمان کے بالمقابل کفار کا حال یہ ہے کہ ان سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس میں کوئی خیر
ہوتا۔ ان کے اعمال فطرت سے بے گانہ ہوتے ہیں، جب کہ اہلِ ایمان کے اعمال و اخلاق کا تعلق
قلب اور فطرت سے ہوتا ہے۔ اس لئے مومن کی تمثیل میں اثرات و اعمال کا ذکر بعد میں کیا گیا۔
موثر کا ذکر فرمایا گیا۔ اس کے برعکس اہلِ کفر کی تمثیل میں اثرات و اعمال کا ذکر پہلے کیا گیا۔ اس
ان کے پاس ان کی اپنی بداعمالیوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں جس کو نمایاں کرنا ضروری سمجھا جاتا۔

تشبیہ کی بلاغت دیکھیں۔ سراب کے ساتھ قیعۃ کی بھی قید موجود ہے۔ (قیعۃ) ایسے
میدان کو کہتے ہیں جہاں حیوانی اور نباتی وجود کا نام و نشان تک نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں محلِ
ایسا سنسان صحرا ہے جو بالکل بے آب و گیاہ ہے اور ہر طرح کی نباتی و حیوانی زندگی سے خالی ہے
جا رہا ہے کہ جس طرح محل سراب زندگی کے آثار اور شادابی سے خالی ہوتا ہے وہی حال کفار کے
کا ہے۔ جو بالکل مردہ ہوتے ہیں۔ ان میں زندگی کی کوئی رمق نہیں پائی جاتی۔ ان کے اعمال کے پیچھے
حقیقی شے کی کارفرمائی نہیں ہوتی۔ ان کے اعمال فریبِ محض ہوتے ہیں جن سے کفار توقعات

اٹھے گا لیتے ہیں لیکن یہ توقعات کبھی پوری ہونے کی نہیں۔
پھر یَحْسَبُہُ الظَّمْآنُ مَاءً (پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے) کے الفاظ نے تمثیل کو مزید بامعنی
ہے۔ اگر پیاس نہ ہو تو پانی کے سراب ثابت ہونے میں چنداں قباحت نہیں لیکن اگر پیاس کی شدت
بے تاب شخص سراب کو پانی سمجھ کر اس کے پاس پہونچے اور وہاں کچھ نہ پائے تو اس کی مایوسی کا کیا
ہوگا۔ پیاس تو ایک حقیقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سراب پانی کا بدل کیسے
ہے۔ یہی حال کفار کے اعمال کا ہے۔ یہ اعمال جن پر انھیں بھروسہ ہے، کہ ان کے ذریعہ سے ان کی
پیاس بجھ سکے گی فریبِ محض ثابت ہوں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ باری تعالیٰ کی تجلی کا ذکر کرتے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم لا کر پیش کی جائے گی جس کی شکل بالکل سراب کی سی ہوگی
نصاریٰ سے سوال کیا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: پانی پینا چاہتے ہیں۔ کہا جائے
پیو۔ وہ جہنم میں ٹوٹ پڑیں گے۔ ظاہر ہے جہنم میں تشنگی بجھنے کے بجائے اس کی شدت فزوں سے
فزوں تر ہوتی جائے گی۔

کفار سے متعلق دوسری تمثیل پر غور کریں۔ اہلِ کفر وہ ہیں جنھوں نے روشنی کے مقابلہ میں تاریکیوں
کو پسند کیا۔ وہ گوناگوں تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ جن سے وہ نکلنا بھی نہیں چاہتے۔ گہرا سمندر،
موج کے اوپر موج کا اٹھنا اور پھر اوپر گھرے ہوئے بادلوں کا ہجوم جس سے تاریکی حد درجہ بڑھ گئی ہے
وحشت ناک منظر ہے۔ کفار تاریکیوں میں ہیں پھر وہ جتنا آگے بڑھتے ہیں تاریکیاں بھی اسی نسبت سے
بڑھتی جاتی ہیں۔ غرضیکہ ایک گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے جس کے اندر وہ زندگی گذار رہے ہیں۔
مومن کی زندگی میں نور ہے جو حیات کی علامت ہے اہلِ کفر کا مقدر ظلمت ہے جو بلاؤں اور موت کی ہولناکی کی تصویر ہے۔
ایک اور پہلو سے دیکھیں۔ پیاسے کو جہاں پانی نظر آرہا ہے جب وہ وہاں پہنچا تو پانی کی بجائے اس نے
خدا کو موجود پایا جس نے حساب چکا دیا کہ سراب کے سوا ان کے حصہ میں کچھ نہیں ہے حساب تو قیامت کے دن
ہونا ہے لیکن قیامت دور نہیں۔ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ حساب چکانے میں کوئی دیر نہیں۔ اعمال خود اپنے اندر قیامت چھپائے
ہوئے ہیں۔ اعمال اپنا انجام اور اپنے اثرات خود اپنے ساتھ لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ضرورت صرف نگاہ بصیرت کی ہے جس چیز کو کفار
سمجھتے ہیں وہ ناممکن ہے اور نہ دور۔ بلکہ ممکن اور بہت ہی قریب ہے۔ دوری حقیقی نہیں اضافی ہے۔ زہر اور موت
دو چیزیں نہیں۔ زہر کے اندر ہی موت کا سامان موجود ہوتا ہے۔
اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سورہ نور کی مذکورہ آیات کے چند پہلو ہیں جنھیں اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش
کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی بلاغت اور اس میں جو معنوی حقائق بیان ہوئے ہیں ان کا احاطہ کرنا انسانی طاقت
سے باہر کی چیز ہے۔

───

خصوصیات قرآن کا وسیع دائرہ

سلطان احمد اصلاحی

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صحیح معرفت اور اس کی ادائیگی کی ٹھیک پہچان کے لئے اپنے اسماء وصفات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اسی طرح قرآن وحدیث میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی بہت سے اسماء وخصوصیات کا ذکر ملتا ہے، جن کی حقیقت تفصیل سے سمجھ کر ہی ہم آپ کے حقوق صحیح طور پر ادا کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملنے والی کتاب مبارک، قرآن حکیم کا ہے کہ اس نے اپنے بہت سے اسماء وخصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع پر غالباً سب سے پہلے تفصیل سے لکھنے کا خیال علامۃ الہند مولانا حمید الدین فراہیؒ کو آیا جنہوں نے 'اوصاف القرآن' کے عنوان سے ایک رسالہ اس پر مرتب کرنا چاہا تھا لیکن جو غالباً ان کے دوسرے بہت سے کاموں کی طرح تشنۂ تکمیل ہی رہا۔ حق یہ ہے کہ جس طرح خدا اور رسول کے حقوق کی صحیح ادائیگی ان کے اسماء وصفات کے واقعی شعور کے بغیر ممکن نہیں کتاب اللہ کے حقوق کی صحیح پہچان بھی اس کے اوصاف وخصوصیات کی صحیح معرفت پر منحصر ہے۔ زیر نظر مضمون میں قرآن کے بعض اوصاف وخصائص کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ 'اوصاف القرآن' کے موضوع پر الگ سے تفصیل سے لکھا جائے گا۔ اس کی روشنی میں قرآن کی صرف تلاوت اور حصول برکت کے مروجہ تصور کی غلطی کو بھی آسانی کے ساتھ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ (س)

زمانہ کی عجیب نیرنگی اور ستم ظریفی ہے کہ دنیا میں مرضیات الٰہی کا اپنی آخری وسعتوں کے ساتھ ع
بلند کرنے والی برگزیدہ شخصیتوں —— حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم —— کو کچھ ہوشیار لوگ انہی
محدود اور تنگ معنی میں " روحانی پیشوا" باور کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اور انسانوں کی عظیم اکثریت
کمال سادہ لوحی کے ساتھ ان کے اس فیصلے کو آمنا صدقنا، کہا۔ انبیائی فہرست آخری نبی صلی اللہ
کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ نتیجے کے طور پر دیگر انبیاء ورسل ع کی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم " روحانی
قرار پائے تو آپ کے ہاتھوں لائی ہوئی کتاب، ہدایت ربانی کے آخری ایڈیشن کو بھی لوگوں نے ایک خا
اور محدود معنی میں " مذہبی صحیفہ " سمجھا۔ جس کا زیادہ سے زیادہ کوئی مقصد ہو سکتا تھا وہ یہ کہ م

معنوں میں وہ انسان کا خدا سے رشتہ جوڑ دے۔ اس دنیا سے ہٹ کر لوگوں کو کچھ "دوسری دنیا" کی باتیں
اور ان کے اندر کچھ اعلیٰ اخلاق اور اوصاف کی آبیاری کر دے۔ حالانکہ اعلیٰ پیمانے اور بہت ہی مضبوط
پر زندگی کی اخلاقی وروحانی پہلوؤں کی تکمیل کے ساتھ، مادی پہلوؤں سے بھی زندگی کی تنظیم
سی، سماجی اور معاشی ہر پہلو سے اس کی ترتیب وتنسیق کو وہ اسی طرح اپنا موضوع ومقصود
ہے۔ چنانچہ اپنے خصائص کے بیان میں اس نے اپنی معنوی اور روحانی حیثیت کے ساتھ زندگی
تنظیم اور اس سے تعلق رکھنے والی اپنی اوصاف وخصوصیات کو بھی اسی اہتمام کے ساتھ بیان
اور مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت کر دینے کے ساتھ اس کے سلسلے میں کسی قسم کی
ر ابہام کو باقی نہیں رہنے دیا ہے۔

پیغام:

اس سلسلے میں سب سے پہلے جو چیز توجہ طلب ہے وہ قرآن کا عموم اور اس کی عالمگیری ہے۔
نتیجے میں وہ پوری انسانی برادری کو اپنا مخاطب قرار دیتا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ زندگی
و نقشہ اس کے پیش نظر ہے اور گروہ انسانیت کو دنیا و آخرت کی ہمہ جہتی فلاح وکامرانی کی جس
وہ گامزن دیکھنا چاہتا ہے اس کے تخاطب کی اس وسعت اور عموم کے ساتھ اس سے حاصل
پیغام بھی اسی طرح وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ جب اس کتاب کا تخاطب رنگ ونسل کی قید سے
ی وجغرافیائی حد بندیوں سے پرے ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کا عطا کردہ ضابطہ
ی طرح مکمل اور ہمہ جہت ہو۔ چنانچہ وہ صاف اور صریح لفظوں میں کہتا ہے کہ اس کا نزول تمام
عالم کے لئے ہوا ہے اور قرآن کسی تخصیص اور تحدید کے بغیر جملہ معاملات زندگی میں ان کے لئے ہدایت
کا سامان فراہم کرتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرہ: ١٨٥)

رمضان کا مہینہ جس میں کہ قرآن اترا، اس میں ہدایت کا سامان ہے (جملہ معاملات زندگی میں دنیا کے) تمام انسانوں کے لئے رہنمائی کی کھلی باتیں اور فیصلہ کن چیز۔

اٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ
كْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (اسراء: ١٠٦)

اور قرآن جس کے ہم نے الگ الگ ٹکڑے رکھے تاکہ تم اسے پڑھ کر سناؤ (دنیا کے)

تمام انسانوں کو وقفہ وقفہ سے اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا۔

اس کتاب کے ذریعہ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کا نذیر (ڈرانے والا) بھیجا گیا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (اسراء: ۱۰۶)	انتہائی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کن چیز (قرآن) اتارا تاکہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ڈرانے والا بنے۔
وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ (انعام: ۱۹)	اور میرے پاس وحی کی گئی ہے اس قرآن کی تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو ڈراؤں ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے ان تمام لوگوں کو حق بات پہنچے۔
إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ (زمر: ۴۱)	ہم نے یہ کتاب تمہارے اوپر اتاری ہے (دنیا کے) تمام انسانوں کے لئے حق کے ساتھ۔ پس جو کوئی راہ پکڑے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور تم ان پر چوکیدار نہیں ہو۔

پورے قرآن کی پیروی

قرآن کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے والا بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سک
عام رائج معنوں میں، خدا اور بندے، تک محدود نہ ہو کر پوری انسانی زندگی کے لئے دستور
مکمل ضابطۂ حیات عطا کرتی ہے۔ اس میں اگر ایک طرف انسان کو ہر طرف سے کٹ کر ص
خدا کے لئے یکسو ہونے، اس سے اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے، اس کی یاد کو
دل میں بسائے رکھنے، اسی طرح فضائل اخلاق سے آراستہ ہونے اور ان تمام چیزوں کو ج
اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے ان سے مجتنب رہنے کی تلقین کی گئی ہے، تو اسی کے پہلو بہ پہلو انس

نظم اور انسان کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی سے متعلق تفصیلی احکام و ہدایات بھی فراہم کی گئی ہیں
کتاب کے اندر ہمیں صرف توحید، رسالت اور آخرت ہی کے مضامین دیکھنے کو نہیں ملتے، نیکیوں اور
ائیوں کی تلقین اور برائیوں ہی سے بچنے کی بات نہیں ملتی، بلکہ اس کے ساتھ ہی نکاح وطلاق، وراثت
یات، حدود و قصاص، صلح و جنگ اور حکومت و سلطنت سے تعلق رکھنے والے تفصیلی قوانین
وابط بھی بیان کئے گئے ہیں۔ بارگاہ رب العزت کی طرف سے پہلے دن سے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ
کتاب — قرآن — کی صورت میں زندگی کا جو مکمل دستور العمل تم کو دیا جا رہا ہے کسی تجزیہ و تقسیم
ر تحدید و تخصیص کے بغیر اول سے آخر تک تمہارے لئے اس کی پیروی ضروری ہے۔ تنہا یہی وہ
ے جو انسان کو رحمت ایزدی سے ہمکنار کر سکتی ہے:

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (انعام: ۱۵۵)	یہ کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے برکت والی پس تم (کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر) اس کی پوری پوری پیروی کرو اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔
اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (اعراف: ۳)	پیروی کرو (پوری پوری) ان تمام باتوں کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو کارساز نہ بناؤ، تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔
وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (زمر: ۵۵)	پیروی کرو ان تمام بہترین باتوں کی جو تم تک اتاری گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو کچھ خبر نہ ہو۔

کے نمائندہ کی حیثیت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بار بار اسی کی تاکید کی گئی:

اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (انعام: ۱۰۶)	پیروی کرو ان تمام چیزوں کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم تک وحی کی گئی ہیں اور مشرکوں سے کچھ سروکار نہ رکھو۔

اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ راستہ کچھ آسان نہیں ؛ قرآن کے دکھائے ہوئے طرز زندگی اور اس کے عطاکردہ ضابطۂ حیات، کے حق میں لوگ اپنے پسند کردہ نظامہائے حیات آسانی کے ساتھ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اس لئے صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے تھامے بغیر اس راہ پر ثابت قدمی نہیں دکھائی جاسکتی:

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ
يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ

(یونس : ۱۰۹)

اور پیروی کرو اس پورے نظامِ زندگی کی جس کی تم تک وحی کی جارہی ہے اور جمے رہو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ہو جائے۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا
أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ
آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ

(شوریٰ : ۱۵)

پس اس لئے (تم لوگوں کو) بلاؤ (دین کی طرف) اور جم جاؤ جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور کہو کہ میں ایمان رکھتا ہوں پوری پوری اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے۔

خدا تعالیٰ کی ذات پر غیر معمولی اعتماد و توکل کے ذریعہ ہی اس منزل کو سر کیا جاسکتا ہے۔ سور احزاب میں معاشرتی زندگی سے متعلق وہ تعلیمات بیان کی گئیں جو اس وقت کے سماجی ڈھانچے کے لئے کس صورت قابل قبول نہ تھیں ۔ چنانچہ اس کے آغاز ہی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کردی گئی کہ:

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا

(آیت : ۳۰)

اور پیروی کرو ان تمام باتوں کی جو تم تک وحی کی جارہی ہیں تمہارے رب کی طرف سے بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور کافی ہے جو اللہ نگراں ہے۔

خصوصیات قرآن کا وسیع دائرہ

اس بنیادی حقیقت کے اظہار کے ساتھ ہی اس کتاب نے قدم قدم پر اپنی وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو انسانی زندگی کے اندر اس کے وسیع دائرہ کار کا پتہ دیتی ہیں۔

ہمہ گیر تعلیمات

ان میں پہلی نمایاں ترین چیز اس کتاب کی ہمہ گیری اور اس کی ہمہ جہت تعلیمات ہیں۔ قرآن نے بے شمار مقامات پر اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ حقائق کو کھولنے والی کتاب "کتاب مبین" ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا
يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ
اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (۱)

(مائدہ : ۱۵)

اے اہل کتاب تمہارے پاس آگیا ہے ہمارا رسول جو تمہارے لئے کھول رہا ہے ان بہت سی باتوں کو جو تم چھپاتے تھے (اپنی) کتاب (توراۃ) سے۔ جب کہ وہ بہت سی چیزوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب آگئی ہے۔

قریب کے ادوار میں مختلف اسباب و عوامل کے تحت فکر اسلامی پر پژمردگی و اضمحلال کی جو کیفیت چھائی رہی ہے، اس کے نتیجے میں اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے لوگ بھی، قرآن حکیم کے اس طرح کے بیانات کو ایک خاص دائرے میں محصور کر دینے کے عادی رہے ہیں۔ تفسیر کی بہت سی مسندوں اور حلقہائے درس میں بھی قرآن کے "کتاب مبین" ہونے کا مطلب غالباً کم ہی اس سے آگے بڑھتا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جو انسان کی انفرادی زندگی یا زیادہ سے زیادہ اس کے اخلاقی اور سماجی مسائل سے متعلق احکام و ہدایات فراہم کرتی ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جب کہ فکر اسلامی تازہ اور جاندار تھی، امت کا ذہن اس سلسلے میں بالکل صاف تھا اور وہ اس کے دائرے کو جملہ معاملات زندگی تک وسیع سمجھتی تھی۔ مفسر ابن جریر نے آیتِ کریمہ میں 'کتاب مبین' کے معنی یہ بیان کئے ہیں:

" وكتاب مبين يعنى كتابا فيه
بيان ما اختلفوا فيه بينهم من
توحيد الله وحلاله وحرامه
وشرائع دينه وهو القرآن الذى
انزله على نبينا محمد صلى الله عليه
وسلم يبين للناس جميع ما بهم
الحاجة من امر دينهم ويوضحه

"کتاب مبین" اور "کھلی ہوئی کتاب" یعنی وہ کتاب جس میں وضاحت ہے ان باتوں کی جن کے سلسلے میں لوگ (اہل کتاب) باہم بڑے اختلافات کا شکار تھے۔ اللہ کی وحدانیت اس کی حلال کردہ چیزیں اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزیں اور اس کے دین کے تفصیلی قوانین۔ اور یہ قرآن جسے اس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے جو لوگوں

لهم حتى يعرفوا حقه من باطله[1]

کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے ان تمام باتوں کو جن کی انھیں ضرورت ہے اپنے دین کے معاملہ میں اس چیز کو وہ ان کے سامنے واشگاف انداز میں رکھ دیتا ہے تاکہ حق کو باطل سے ممیز کر لینے میں ان کے لئے کوئی کھٹکا نہ رہے۔

آگے کی آیتِ کریمہ میں بھی اس کتاب کا اسی طرح کا ایک وصف بیان کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی چاہنے والوں کو 'سلامتی کے راستوں' کی رہنمائی کرتا اور انھیں 'تاریکیوں' سے نکال کر 'روشنی' سے ہمکنار کرتا ہے:

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔

اللہ اس (کتاب) کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کی پیروی کرتے ہیں، سلامتی کے راستوں کی راہنمائی کرتا ہے اور انھیں تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لاتا ہے اپنے حکم سے۔ اور ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(مائدہ: ۱۶)

قرآن کے اس بیان کو بھی عام طور پر محدود اور تنگ معنی ہی میں لیا جاتا ہے جس کا زیادہ سے زیادہ منشا ہوتا ہے کہ آدمی ایک خاص دائرے میں دینی زندگی بسر کرے اور خدا سے اپنا تعلق جوڑ کر اپنے کو جنت کا مستحق بنا لے۔ جب کہ آیتِ کریمہ میں 'سلامتی کے راستوں' کی بات عام اور مطلق ہے اور دیگر مسالک و مذاہب کے مقابلہ میں اس سے اسلام بحیثیت نظام زندگی کے مراد ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آدمی اس دین کو اس کی مکمل شریعت کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لے خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اس آخری مکمل ضابطۂ حیات سے اپنی پوری زندگی میں سرمو تجاوز و انحراف کا مرتکب نہ ہو۔ اسی طرح 'تاریکیوں' کا مطلب پورا نظام کفر و شرک ہے جب کہ دنیا کے اندر فکر و عمل کی تمام گمراہیاں انھیں دو دائروں میں محصور ہیں اور سیدھی راہ پانے کا مطلب ہے کہ آدمی ان تمام بے اعتدالیوں دامن بچا کر اپنی پوری زندگی میں اسلام کے دامن کو مضبوط تھام لے۔ گزشتہ آیت کی طرح مفسر طبری اس آیت کریمہ کو بھی اسی طرح عام قرار دیا ہے۔

[1] جامع البیان: ۶/ ۹۲-۹۳

(سبل السلام) سبيل الله الذى شرعه لعباده ودعاهم اليه وابتعث به رسله وهو الاسلام الذى لا يقبل من احد عملا الا به لا اليهودية ولا النصرانية ولا المجوسية (ويخرجهم من الظلمات الى النور) يهدى الله بهذا الكتاب المبين من اتبع رضوان الله الى سبل السلام وشرائع دينه (ومن الظلمات) يعنى من ظلمات الكفر والشرك الى نور الاسلام وضيائه (ويهديهم الى طريق مستقيم) ويرشدهم ويسددهم الى طريق مستقيم وهو دين الله القويم الذى لا اعوجاج فيه[1]

''سبیل السلام'' ''سلامتی کے راستے'' یعنی اللہ کا راستہ جسے اس نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کیا ہے اور اس کی پیروی کی انھیں دعوت دی ہے اور اسی کا پیغام دے کر اپنے تمام رسولوں کو بھیجا ہے۔ اور یہ اسلام ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی کی طرف سے کسی عمل کو قبول نہیں کرے گا خواہ وہ یہودیت ہو یا نصرانیت یا مجوسیت (یا کوئی اور چیز) ''ویخرجہم من الظلمات الی النور'' اور انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس واضح کتاب کے ذریعہ جو اس کی خوشنودی کی پیروی کرتے ہیں ان کی سلامتی کے راستوں اور اپنے دین..... کے تفصیلی قوانین . . . کی طرف رہنمائی کرتا ہے ''من الظلمات'' ''تاریکیوں سے نکال کر'' یعنی کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی روشنی اور اس کی ضیا باری کی طرف ''ویہدیہم الی طریق مستقیم'' اور ان کی رہنمائی کرتا ہے سیدھے راستے کی طرف'' یعنی انھیں راہ بتاتا ہے اور صحیح رہنمائی دیتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔ اور یہ اللہ کا راستی کا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھ نہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں قرآن کے روشنی (نور) اور حقائق کو کھولنے والی کتاب (کتاب مبین)

[1] حوالہ سابق ص ۹۳

ہونے کے تین فائدے بیان کئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی کے طلب گاروں کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے[1]۔ اپنے حکم و مرضی سے انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے[2] اور (زندگی میں) انھیں سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے[3]۔ ہمارے زمانے کے ایک وسیع النظر مفسر قرآن نے اس کے پہلے فائدے "سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی" کی یہ وسیع اور جامع تشریح کی ہے جس نے آخرت کے علاوہ پوری انسانی زندگی اور اس کے اندر آدمی کی ہمہ جہت مصروفیات کا احاطہ کرلیا ہے:

وقد ذكر الله لهذا النور ثلاث فوائد (الاولى) انه يهدي به الله من اتبع رضوانه سبل السلام، اى من اتبع منهم ما يرضيه تعالى بالايمان بهذا النور يهديه ـــ هداية دلالة تصحبها العناية والاعانة ـــ الطرق التى يسلم بها فى الدنيا والآخرة من كل ما يرديه ويشقيه فيقوم فى الدنيا بحقوق الله تعالى و حقوق نفسه الروحية والجسدية وحقوق الناس فيكون متمتعا بالطيبات مجتنبا للخبائث، تقيا مخلصا، صالحا مصلحا ويكون فى الآخرة سعيدا منعما. جامعا بين النعيم الحسى الجسدى والنعيم الروحى العقلى وخلاصة هذه الفائدة انه يتبع دينا يجد فيه جميع الطرق الموصلة الى ما تسلم به النفس من شقاء الدنيا والآخرة، لانه دين السلام والاخلاص لله ولعبادة، دين المساواة والعدل والاحسان والفضل[1]

اللہ تعالیٰ نے اس نور کے تین فائدے بیان کئے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ اس کے ذریعہ جو اس کی خوشنودی کی پیروی اختیار کرتے ہیں، انھیں سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یعنی جو کوئی اس نور پر ایمان لاکر اس چیز کی پیروی اختیار کرتا ہے جو اللہ کو خوش کرنے والی ہے تو وہ اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ رہنمائی جس کے ساتھ اس کی خاص توجہ اور مدد شامل ہوتی ہے ــ ان راستوں کی طرف جن کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت میں ہر اس چیز سے بچ جاتا ہے جو اسے نامرادی اور محرومی سے ہمکنار کرنے والی ہو۔ چنانچہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حقوق، اپنے نفس کے روحانی و جسمانی حقوق اور انسانوں کے حقوق ادا کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ دنیا کی حلال و پاک چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور حرام و ناپاک سے دامن کش رہتا ہے، اللہ سے ڈرنے والا، اس کے لئے یکسو، نیکی کے راستے پر عمل پیرا اور دوسروں کو اس کی طرف بلانے والا۔ اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے اندر بھی خوش بخت اور اللہ کی نعمتوں سے شاد کام ہوتا ہے۔ حسی اور جسمانی اور عقلی اور روحانی دونوں طرح کی نعمتیں اسے بیک وقت حاصل ہوتی ہیں۔ اس فائدہ کا خلاصہ یہ کہ اس طرح سے وہ ایسے دین کی پیروی کرتا ہے جس میں اسے وہ تمام راستے مل جاتے ہیں جن پر وہ چل کر دنیا و آخرت کی ہر طرح کی بدبختیوں سے بچ جاتا ہے اس لئے کہ یہ سلامتی کا دین ہے۔ اللہ کے لئے یکسوئی اور اس کے بندوں کے لئے بے لوثی کا دین۔ عدل و انصاف اور مساوات کا دین جس میں خوب کاری اور حسن سلوک اور فضل و احسان کا دور دورہ ہوتا ہے

یہی بات ہے جو قرآن نے دوسرے مقام پر نسبتاً اختصار کے ساتھ اپنے مقصد نزول کو بیان کرتے ہوئے کہی ہے:

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (البقرہ: ۱۸۵)

دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سامان ہدایت و رہنمائی کی کھلی ہوئی باتیں اور فیصلہ کن چیز

لوگوں کے لئے رہنمائی اور رہنمائی کی کھلی باتیں، قرآن کا یہ وصف اور خصوصیت بھی، جسے عام طور پر محدود اور تنگ معنوں میں لیا جاتا ہے، اپنے اندر یہی عموم اور وسعت رکھتا ہے۔ جس کے مضمرات میں دین کی عام اور معروف باتیں ہی نہیں بلکہ حدود و فرائض اور حلال و حرام کا پورا نظام شامل ہے:

واما قوله هدى للناس فانه يعنى رشادا للناس الى سبيل الحق وقصد المنهج واما قوله بينات

اللہ تعالیٰ کا قول "ہدی للناس" انسانوں کے لئے ہدایت کا سامان، تو اس کا مطلب ہے کہ یہ (قرآن)، لوگوں کو حق کے راستے اور صحیح طرز حیات

---

[1] تفسیر المنار: ۶/۳۰۵